

حضرت مولانا محمد میاں صاحب (سابق ناظم جمعیتہ العلماء ہند)
شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی مصنف شاندار اراغی

حیاتِ مسلم کی ایک جھلک

قربانی، ایثار اور تقسیم دولت کی نادر مثال

نعروں کی بجائے عمل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے تیرہ سال
از ۶۱۰ء تا ۶۳۲ء مکہ میں گزرے۔

اس تیرہ سال کے عرصہ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد
دوسو سے زیادہ ہو گئی، مگر ان کی حیثیت ایسی نہیں
تھی کہ جماعتی نظم قائم ہو سکے۔ ایک بڑی تعداد کو مجبور
ہو کر اپنے وطن (مکہ) سے نکلنا پڑا۔ انہوں نے
حبش جا کر پناہ لی۔ جو مسلمان مکہ میں تھے۔ وہ رات
دن طرح طرح کے مصائب میں مبتلا تھے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے قریبی رشتہ دار تقریباً
تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔
مکہ کے باشندوں نے ان سے بائیکاٹ رکھا۔
لیکن اس انتشار اور پرگندگی کی صورت میں اگرچہ
کوئی باقاعدہ پروگرام نہیں پیش کیا جاسکتا تھا۔ مگر
اس دورانی پروگرام پر اس لاچارگی اور بیچارگی کے
زمانہ میں بھی برابر عمل ہوتا رہا۔ کفوا ایسکیم
دافیمو الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ (سورہ نازعہ)

الحق بلاناغہ ہر راہ آتا رہتا ہے۔ اعانتِ حق
فریضہٴ مسلم ہے۔ طبیعتِ پابستی ہے، کہ
رسالہ الحق کی بھی کچھ خدمت کروں۔ مگر خدمت
کے راستے مسدود ہیں۔ اپنا مضمون بھیجتا اول
تر تحفہٴ فلفل ہندوستان کی مثال ہے۔ پھر
راستہ ایسا پیچیدہ کہ پہنچنے کا اطمینان نہیں ہوتا۔
اور واقعہ یہ ہے کہ ارشادات کی تعمیل سے
عہدہ برا ہوتا بہت مشکل ہے تو بلا فرائض تبرع
تو نا ممکن — کاغذات میں ہم رشتہ مضمون
نکل آیا۔ کاپی شدہ ہے کسی خاص داعیہ کی بنا پر
لکھا تھا۔ الجمعیت میں تقریقاً شائع نہیں ہوا۔
شاید کسی اور رسالہ یا اخبار میں بھی شائع نہیں
ہوا۔ خیال آیا کہ اسی سے تبرع کروں۔
گر قبول افتد رہے عز و شرف۔ والسلام۔

سیرتِ مقدسہ پر نظر رکھنے والا اس فیصلہ پر مجبور ہے کہ کئی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں ایک بنیادی مقصد عمل کی پوری سرگرمی کے ساتھ کامیاب بنایا گیا۔ عام محاورہ کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ کچھ نظریات پیش کئے گئے اور فہموں کو ان کے لئے ہموار ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان نظریات کو فہموں میں رچا دیا گیا۔ آجکل دولت، سرمایہ داری اور تقسیم دولت کی بحث ہے۔ اس مناسبت سے وہی نظریات پیش کئے جا رہے ہیں جن کا تعلق اس موضوع سے ہے۔ سورہ بلد اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی جسکی چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے :

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کہتا ہے کہ میں نے بے شمار دولت خرچ کر ڈالی۔ (میں نے کھپایا مال ڈھیروں۔ ترجمہ: شاہ عبدالقادر) کیا یہ سمجھتا ہے کہ نہیں دیکھا ہے اسکو کسی نے۔ کیا ہم نے اسکو دوا نکھیں ہمیں دیں۔ زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے۔؟ اور کیا ہم نے اسکو دونوں راستے نہیں بتا دئے۔؟ پس وہ گھائی میں سے ہو کر نہ نکلا۔

آپ کو معلوم ہے گھائی کیا ہے۔؟

(گھائی یہ ہے) پھر انا کسی گردن کا۔ (مصیبت زدہ غلاموں کو دلائی دلانا) یا کھلانا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو، یا کسی خاک میں رہنے والے مسکین کو (محتاج کو) سورہ بلد بارہ ۳۰۔"

سورہ دہر بھی اسی زمانہ میں نازل ہوئی۔ جسکی چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ان آیتوں میں اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

"ایسے وقت کہ جب خود ان کو کھانا عجیب ہوتا ہے۔ اور خود اپنے اندر اس کی ضرورت اور طلب محسوس کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ان کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ ہم صرف اللہ کے لئے کھانا کھلا رہے ہیں۔ تم سے ہمیں نہ کوئی بدلہ درکار ہے۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا شکریہ ادا کریں۔ (سورہ دہر۔ جز ۲۹)

سورہ حمزہ کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ وہ سرمایہ دار کے خلاف کس شرت سے گریج رہی ہیں :

بڑی خیرانی ہے ہر اس شخص کے لئے جو پس پشت عیب اٹکانے والا ہے۔ اور رو در رو طعنہ دینے والا ہے۔ (یہ سرمایہ دار اور اسکو گن گن کر رکھا

جو سمجھتا ہے کہ اس کا مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ (اسکی دولت دوام پذیر ہوگی)
ہرگز نہیں! ایسا شخص یقیناً پھینک دیا جائے گا حطہ میں اور قہم جانتے ہو کہ
حطہ کیا ہے؟

وہ آگ ہے جو بھڑکانی گئی ہے خدا کی طرف سے جو بھانک لیتی ہے دلوں کو۔ وہ
ان پر بند کر دی جائے گی۔ (مونڈ دی جائے گی) لمبے لمبے ستونوں میں۔

اس مضمون کی آیتیں جو مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئیں۔ قدرتی بات ہے کہ انہوں نے اس
مقدس جماعت کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے پاک کر دیا۔ اور یہاں تک نکھار دیا کہ
درہم و دینار سے ان کو ایسی ہی نفرت ہو گئی جو اونٹ اور بھیڑ کی میٹھنیوں سے نفرت تھی۔

ان تعلیمات کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام سرمایہ
جو زمانہ تجارت میں کمایا تھا خرچ کر کے فاقہ کو دولت قرار دے چکے ہیں۔ ان کی رفیقہ حیات
طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو مکہ کے دولت مندوں میں سب سے اونچا درجہ رکھتی تھیں اپنی تمام دولت
خرچ کر کے فقر و فاقہ کو نعمت تصور کرنے لگیں۔ وفات ہوئی ہے تو ترکہ میں ایک بھی ایسی چیز نہیں
ہے جس کا ذکر کیا جاسکے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کے پاس اسلام لانے کے دن چالیس
ہزار کا سرمایہ تھا، جب وہ مکہ سے روانہ ہوئے تو صرف پانچ ہزار باقی بچے۔ اس عرصہ کے کاروباری
منافع کے علاوہ اصل پر بنی یعنی پینتیس ہزار صرف ہو چکے تھے۔

البتہ گردن چھڑانے کی ہدایت جو قرآن پاک میں کی گئی تھی اس کے مظاہرے کھلے طور پر سامنے
آتے ہیں۔ کتنے ہی غلام ہیں جنکو خرید کر آزاد کیا گیا۔ کتنے ہی مقرض ہیں جن کے قرضے ادا کئے گئے۔ خدا
جانبے کتنے بھوکے ہوں گے جن کی ضروریات کا تکفل فرمایا گیا ہوگا۔ علیہ سعادیہ جنہوں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جن کے یہاں خشک سالی ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس امداد کے لئے پیغام بھیجا۔ حضرت خدیجہؓ نے ۴۰ بکریوں کا ایکس گڈہ خرید کر ان کے حوالہ کر دیا۔
— جو آیتیں اس زمانہ میں نازل ہوئیں ان میں ایک فرض یہ بھی قرار دیا گیا کہ دوسروں کو عزباء
پر درسی پر آمادہ کریں۔ یعنی نخل اور سرمایہ پرستی کے جراثیم جس طرح اپنے اندر سے نکل کر یہی اسی طرح دوسروں
کو بھی اسکی دعوت دیں اور داود دہش کی فضا بنائیں۔ — سورۃ الحاقہ کی آیات ۱ تا ۱۷ کا ترجمہ
یہ ہے —

اس شخص کو پکڑو اور اس کے طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں اسکو داخل کر دو۔ پھر ایسی

نہنجری جنگی پیمائش ستر گز ہے اسکو جکڑ دو۔ (کیوں یہ عذاب کس لئے؟ وجہ یہ ہے۔)
یہ شخص خدا کے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب
نہیں دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج (مرنے کے بعد قیامت کے روز) اس شخص کا
نہ کوئی دوست دلا ہے اور نہ اسکو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے۔ (اگر کچھ ہے تو) صرف
زخموں کا دھوون جسکو صرف وہی کھائیں گے جو ترے گنہگار (پاپی) ہوں گے۔

سورہ المائدہ ۶۹
۳۲ تا ۳۷

تم نے دیکھا اس کو جو بھٹلاتا ہے۔ انصاف کو (پاداش عمل پر یقین نہیں رکھتا) یہ وہی ہے
جو دھکیلتا ہے یتیم کو۔ جو ضرور تمند (مسکین) کو کھانا دینے کی تاکید اور ترغیب نہیں کرتا۔
سوائے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔ جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں۔ جو دکھاوا (ریاکاری)
کرتے ہیں۔ جنگی تنگدلی کا یہ عالم ہے کہ برتنے اور استعمال کرنے کی چیز مانگے پر دینی گوارا
نہیں کرتے۔ (سورہ الماعون ۱۰۶۔ اس کے علاوہ سورہ فجر ۸۹۔ وغیرہ)

کی زندگی کا دور ختم ہوا۔ مہاجرین کا قافلہ مدینہ پہنچا۔ یہاں ایک نہایت پیچیدہ اقتصادی سوال
پیدا ہوا۔۔۔ مدینہ خاص کی آبادی جو اسلام کی پناہ گاہ تھی دو ڈھائی ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ وہ
جانناز غلص جو اپنی ذمہ داری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ لائے تھے۔
بیعت عقبہ کے وقت ان کی تعداد بہتر تھی۔ ان کے رفقاء اور معاون جو مدینہ طیبہ میں تھے، وہ چند سو
سے زیادہ نہ تھے۔

مختصر یہ کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو افراد ہوں گے جو مدینہ طیبہ میں اس تحریک کے ذمہ دار تھے
ان میں سے بہت سے غریب اور تہی دست بھی تھے جو صاحب حیثیت تھے ان کے پاس نہ
کوئی کارخانہ تھا، نہ کوئی تجارتی منڈی تھی، نہ صنعت و حرفت کا کوئی سلسلہ تھا۔ صرف کاشتکار تھے
جن کے پاس زراعت کے لئے پھوڑی پھوڑی زمینیں تھیں یا کھجوروں کے باغات تھے۔ ہجرت
کا سلسلہ شروع ہوا تو کم و بیش ایک سو افراد بہت پھوڑے عرصہ میں مدینہ پہنچ گئے۔ ان میں سے
بہت سے وہ تھے جو اپنے وطن مکہ میں اچھی خاصی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن جس صورت سے ان
کو وطن (مکہ) چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ حد درجہ خطرناک تھی، ان کے لئے ممکن نہیں تھا کہ اپنے ساتھ
وہ سرمایہ لاسکیں۔ پوری رازداری کے ساتھ چھپ کر نکل آنا ہی بہت بڑی کامیابی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شاگرد نے گھرانے کے ایک فرد تھے۔

ان کے ارادہ ہجرت کا پتہ چل گیا۔ تو خاندان کے آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ انہوں نے انتہائی عاجزی و ذاری کی تو اس شرط پر یہ روانہ ہو سکے کہ اپنے سرمایہ میں سے اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جائیں گے۔

ہاجرین کے سلسلے میں صرف مکہ ہی کے حضرات نہیں تھے۔ بلکہ جب مدینہ طیبہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تو اگرچہ تعداد کتنی ہی تھوڑی تھی مگر ان سب کے لئے پناہ گاہ بن گئی تھی جو مختلف قبائل کے اندر اکاؤنٹ کا اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ یہ حضرات بھی مدینہ طیبہ پہنچنے لگے۔ اقتصادیات کے ماہرین کے لئے ایک نہایت دلچسپ سوال ہے کہ ان بے روزگاروں کے لئے روزگار کی کیا شکل کی جائے۔؟ ان کا تقدس اسکی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کے ایک پیسے پر بھی نظر ڈالیں۔ خود تہی دست ہیں، ذریعہ معاش کوئی نہیں۔ خود مدینہ میں ایک کافی تعداد ان بڑے لوگوں کی ہے جو صاحبِ دولت ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوئے۔ مدینہ کے آس پاس یہودیوں کے قبیلے ہیں۔ وہ بہت خوش حال بڑے وداست مند۔ ان کی تجارتی کوٹھیاں بھی ہیں اور ان کے پاس تجارتی منڈیاں بھی۔ لیکن ان کے سامنے بھگنا خود داری اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔

جیسے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے مدینہ کے مسلم اور غیر مسلم باشندوں سے ایک معاہدہ ہو گیا اور اس طرح ایک ایسا نظام قائم ہو گیا جسکو حکومت یا مملکت کہا جاسکتا ہے۔ لیکن تھا کہ اس نظام کے ذریعہ کوئی ٹیکس عائد کر دیا جاتا۔ لیکن یہ بات اسلامی خود داری کے قطعاً مخالف تھی کہ اپنی ضرورتوں کے لئے ان سے ٹیکس وصول کریں جو ذہنی طور پر سمجھا اور عامی نہیں ہیں۔ غیرت اور خود داری کا تقاضا یہ تھا کہ نووارد مسلمانوں کے لئے امداد کی اپیل کی جائے تو صرف ان سے جو ہر طرح اپنے آپ کو اسلام کے لئے پیش کر چکے تھے۔ لیکن لا اکرارۃ فی الدین کے اصول کا تقاضا یہ تھا کہ ان پر بھی کوئی جبر نہ کیا جائے۔ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دلوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی طرف سے امداد کا قانون بنائیں۔ کوئی سیاسی لیڈر ایسے موقع پر یہ کر سکتا تھا کہ کچھ جائیدادیں ضبط کرے تاکہ بے روزگاروں کا کام چلے اور نظام قائم ہو سکے۔ لیکن اس سے آپس کی محبت ہرگز نہیں قائم ہو سکتی تھی۔

اسلامی تعلیمات نے بہت ہی تھوڑی مدت میں معجزہ کے طور پر ایک خاص وصف مسلمانوں کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ اس وصف کا نام ایثار ہے۔ اس ایثار نے ایک اشارہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ذہانت نے اس اشارہ کو سمجھا۔ آپ نے ایک تجویز پیش کی کہ جو مدینہ کے اصل باشندے

ہیں۔ اور جو مکہ کے آنے والے مہاجر ہیں۔ ان کے اندر قانونی بھائی چارہ قائم کر دیا جائے۔ یعنی صرف زبانی دوستی اور اخوت نہیں بلکہ ایسی اخوت جو دونوں بھائیوں کے اندر بیتی ہے۔ آپ نے تجویز پیش کی کہ ایک انصاری ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنائے۔۔۔ حضرات انصاری یعنی مدینہ کے اصل باشندوں نے بڑی خوشی سے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے عمل کی تمام ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں۔ آپ نے نام بنام بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یعنی یہ مہاجر فلاں انصاری کا بھائی ہے۔ اس بھائی چارہ کے معنی یہ تھے کہ مہاجر اس انصاری کی تمام املاک کے اندر برابر کا شریک ہو گیا۔ جس قدر جائیداد ہے، باغ ہے، مکان ہے تو آدھا انصاری کا یعنی مدینہ کے اصل باشندے کا اور آدھا اس بھائی مہاجر کا۔۔۔۔۔

ایک لطیفہ یہ تھا کہ مہاجر بھائی کاشت سے قطعاً ناواقف۔ اس کا پیشہ تجارت۔ اس کا وطن مکہ، جہاں کمیت اور کاشت کا نام نہیں۔ اس کو اگر انصاری کی جائیداد مل بھی گئی تو اپنی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کرنا مشکل تھا کہ وہ کاشت کار بن جائے، بل جرتا اور کھیتوں کو سیراب کرتا۔

یہ حضرات انصار کا مخلصانہ اشارہ تھا کہ انہوں نے اپنی جائیدادوں اور باغوں کا آدھا حصہ دیا۔ اور یہ بھی طے کر دیا کہ کاشت کا تمام کام وہ کریں گے۔ حضرات مہاجرین کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں انبۂ آمدنی آدمی ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔۔۔

موضوع کلام سے کسی قدر ہٹ کر یہ عرض کرنا غیر مناسب نہ ہو گا کہ حضرات انصار (باشندگان مدینہ) جن کے لئے اشارہ کر رہے تھے وہ بھی سیاسی رنگ و لٹ نہیں تھے۔ یہ وہ تھے جن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تربیت اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کر چکا تھا۔۔۔ حضرات انصار کے اشارہ کے جواب میں ان مہاجر بزرگوں نے کامیابی کے جھنڈے نہیں بھرائے۔ جلوس نہیں نکالے،۔۔۔ شکر یہ کی رسمی تجویزیں نہیں پاس کیں بلکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں نے اپنے انصاری بھائی سے کہا آپ کے اخلاص کا شکریہ، مجھے ایسا بازار بتا دیجئے جو زیادہ چلتا ہو۔ انصاری بھائی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو قبیلہ قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا۔ (یہ وہاں بظاہر خراجہ لگا کر بیٹھ گئے) اور دن بھر میں اتنے دام کما لئے کہ شام کو جب واپس ہوئے تو انصاری بھائی کے لئے کچھ پیسہ اور کچھ گھی بھی خرید کر لیتے آئے۔ (بخاری شریف ص ۲۵۵)

دوبہ حاضر کی تہذیب جس کو اپنی ترقی پر ناز ہے، ان نو واردوں کو جو کسی سیاسی یا قانونی استحقاق کے بغیر باشندگان مدینہ کی املاک میں حصہ دار بن گئے تھے اگر کسی وجہ سے اخراج کا حکم نہ دیتی، مگر جائیدادوں

کی تقسیم کی چسک اور ٹیس ان کے دلوں کو ضرور تڑپاتی رہتی۔ اور اس بنا پر ناممکن تھا کہ ان کے دلوں میں ہاجرین سے محبت پیدا ہوتی۔ لیکن اخلاقی تربیت کی یہ برکت تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں صرف محبت ہی نہیں بلکہ عقیدت قائم ہو گئی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو ان کے انصاری بھائی کی بیوی حضرت ام العلاء کو یقین تھا کہ ایسا مقدس بزرگ یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی عزت کا مستحق ہے۔ وہ صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے فرما رہی تھیں:

شہادۃ علیہ لقد اکرمنا اللہ

میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یقیناً عزت بخشی ہے۔

۳۔ میں غزوہ بنو نضیر ہوا۔ اور اس موقع پر بنو نضیر کی ضبط شدہ جائدادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہوئیں۔ اصولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پہنچتا تھا کہ ان کو ذاتی ملک قرار دے لیتے یا اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر دیتے۔ مگر آپ نے ان جائدادوں کی تقسیم کا فیصلہ فرمایا اور یہ پورا تعلقہ حضرات ہاجرین کو تقسیم کر دیا۔ اس موقع پر حضرات انصار نے جس اشار کا ثبوت دیا وہ بھی ناقابل فراموش حقیقت ہے۔ یہ انصار تقریباً ڈھائی سال سے ہاجرین کے مصارف برداشت کر رہے تھے۔ دورِ حاضر کی روشن تہذیب جو ہمدردی نوعِ انسان کی بلند بانگ دعوئی دار ہے اگر وہ کار فرما ہوتی تو انصار کا مطالبہ یہ ہوتا کہ یہ ضبط شدہ جائداد مصارف کے عوض میں ان کے حوالے کی جائے۔ یہ یہاں کے اصل باشندے بھی ہیں اور تین سال سے پوری جماعت کا خرچ بھی برداشت کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ یہ تعلقہ ہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے اور جو جائدادیں بھائی چارے کی بنا پر انصار نے ہاجرین کو دی تھیں وہ ان کو واپس کر دی جائیں تو تاریخ وہ الفاظ محفوظ کر لئے ہیں جو حضرات انصار نے عرض کئے تھے: لا بل تقسم ہذا فیہ واقسم لہم من اموالنا ما شئتم۔ ترجمہ:۔ ہمیں حضرت یہ نہیں ہوگا۔ بنو نضیر کی تمام جائداد حضرات ہاجرین ہی کو دیدیجئے اور نہ صرف یہ جائداد بلکہ ہماری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ خود ہماری جائدادوں میں سے بھی جو کچھ آپ چاہیں ان کو عنایت کر دیں۔

یہی حضرات انصار ہیں جنہوں نے دوسرے موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ جو کچھ آپ لیں گے وہ اس سے بہت بہتر ہوگا جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

